علماء اور حکومت

(۲)

سعید احمد اکبر آبادی

اس موقع پر سوال ہوسکتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ علماء کا ایک بڑا طبقہ کاروبارِ حکومت سے الگ تھلگ رہا اور نسبتاً کم افراد نے حکومت سے تعاون کیا اور عہدے اور مناصب قبول کئے؟ جواب یہ ہے کہ جب تک حکومت کے ارکان شریعت کے پابند رہے اور اُن کا نظامِ حکمرانی اسلامی احکام و قوانین کا تابع رہا علماً بحیثیت مجموعی امورِ حکومت و مملکت میں دخیل رہے اور انھوں نے اُن سے مجتنب رہنا مناسب نہیں جانا۔ لیکن جب صورتِ حال بدلی اور شخصی حکومتوں نے مملکت رانی کے لئے احکامِ شریعت کی پابندی ضروری نہیں سمجھی اور دنیوی اغراض و مقاصد نے اُن پر غلبہ حاصل کرلیا تو اب علما میں دو طبقے ہوگئے۔ ایک بڑے طبقہ کا خیال یہ تھا کہ ملک کی فلاح و بہبود اور اسلامی معاشرہ کی خیرخواہی کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت سے الگ رہ کر اصلاح کی کوشش کی جائے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض پورے طور پر اسی وقت سرانجام پاسکتا ہے جب کہ علماء حکومت کے ساتھ تعلق کے اثرات سے آزاد رہیں گے ورنہ اظہارِ کلمۂ حق میں بالواسطہ یا بلاواسطہ مداہنت کے پیدا ہوجانے کا خطرہ ہے۔ علماء میں اکثریت اسی خیال کے حضرات کی تھی، چنانچہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں کثرت سے ایسے اقوال ملیں گے جن میں اکابر علما و مشائخ نے حکومت سے قرب کی مذمت کی ہے اور حاملینِ شریعت کے لئے اسے ننگ و عار بتایا ہے۔ ابو قلابہ مشہور محدث اور عالم ہیں، انھوں نے ایک مرتبہ اپنے شاگرد ایوب سختیانی کو تین نصیحتیں کیں، اُن میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر نہ جانا۔ حضرت سفیان ثوری نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا "جہنم میں ایک غار ہے جس میں صرف بادشاہوں کے مصاحب پھینکے جائینگے حضرت قتادہ کا قول تھا کہ بدترین حاکم وہ ہیں جو علماء سے دور رہتے ہیں اور بدترین علماء وہ ہیں جو حکام

سے تقرّب رکھتے ہیں۔ اعمش سے ایک بار کسی نے کہا "حضرت! آپ نے تو علم کو زندہ کر دیا۔ کتنے بے شمار آدمی ہیں جو آپ سے فیض یاب ہو رہے ہیں" فرمایا "ذرا تعجب نہ کرو۔ ان لوگوں میں ایک تہائی تو وہ ہیں جو تکمیل سے پہلے ہی مر جائیں گے، دوسری تہائی امراء و حکام کے ہو کر رہ جائیں گے اور یہ لوگ مُردوں سے بدتر ہوں گے، البتہ صرف ایک تہائی وہ ہونگے جو کامیابی کا منہ دیکھیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کو ایک نامور عالم اسماعیل بن علیہ کے متعلق معلوم ہوا کہ انھوں نے تحصیلداری کا عہدہ قبول کر لیا ہے تو حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیجے۔

یا جاعل العلم لهٔ بازیًا	یصطاد اموال المساکین
احتلت للدنیا و لذاتھا	بحیلةٍ تذھب بالدین
فصرت مجنونا بھا بعد ما	کنت دواءً للمجانین
این روایاتك فیما مضی	عن ابن عون و ابن سیرین
ودرسك العلم باٰثارهٖ	وترکك ابواب السلاطین
تقول: اکرھت .فما ذا کذا	زل حمار العلم فی الطین

ترجمہ۔ اے علم کو ایسا باز بنانے والے جو غریبوں کے مال کا شکار کرے تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کے لئے ایک حیلہ تراشا ہے جو دین کو لے ڈوبے گا۔ تو دُنیا کی محبت میں پاگل بن گیا، حالانکہ تو خود دیوانوں کے لئے دوا کا حکم رکھتا تھا۔ گذشتہ زمانہ میں تو ابن عون اور ابن سیرین سے جو روایات بیان کرتا تھا اب وہ کہاں ہیں اور وہ تیرا درسِ علم اور بادشاہوں کے دروازہ کو ترک کر دینا کہاں ہے؟ تو کہتا ہے کہ میں (شاہی نوکری قبول کرنے پر) مجبور کر دیا گیا تھا مگر نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ علم کا گدھا کیچڑ میں پھسل گیا۔

پھر صرف اکابر علماء و مشائخ کا ذکر نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد بعض اجلہ صحابہ نے اسی دورِ فتن کے پیشِ نظر اہلِ علم کے لئے حکومت سے تقرّب کو خطرناک قرار دیا تھا حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم پر بادشاہوں کی حکومت ہوگی

وہ اچھے بُرے کام کرینگے۔ انکی بُرائیوں پر جو اعتراض کریگا خدا کے سامنے وہ بُری الذمہ ہوگا اور جو خاموشی اختیار کرے گا مگر دل میں انھیں بُرا سمجھے گا وہ بھی (عذاب الٰہی سے) بچ جائیگا ۔لیکن جو ان کاموں پر راضی ہوگیا اور بادشاہوں کے پیچھے لگ گیا ۔ تو خدا اسے ہلاک کردے "۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا "شاہی ڈیوڑھی پر فتنے اسی طرح جمے بیٹھے رہتے ہیں جس طرح اونٹ اپنے تھانوں پر جم کے بیٹھتے ہیں ۔ قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اُن کی دنیا میں سے جتنا پاؤگے اُس سے زیادہ وہ تمہارے دین میں سے لے لیں گے "۔

بات اگرچہ طویل ہوگئی لیکن دراصل دکھانا یہ تھا کہ اگر علمار نے حکومت سے اجتناب کی پالیسی اختیار کی تو اس کی بنیاد احساسِ کمتری پر نہیں تھی جیسا کہ آپ فرماتے ہیں بلکہ مسلمانوں اور خود سلطنت کی خیرخواہی کے جذبہ سے تھی اور فرمانِ نبوی، ارشاداتِ صحابہ اور علمائے متقدمین کے اقوال وآرا پر مبنی تھی

یہاں تک علمار کے صرف ایک طبقہ کا ذکر ہوا ہے، دوسرا طبقہ جو نسبتاً اقلیت میں تھا اُس کی رائے یہ تھی کہ بادشاہ خواہ کیسے ہی ہوں بہرحال اُن سے ربط وضبط رکھنا چاہیے تاکہ اُن کو اُن کی غلطیوں اور بُرائیوں پر ٹوکا جا سکے ورنہ اُن سے دور رہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شترِ بے مہار کی طرح آزاد ہوجائیں گے اور روک ٹوک کے بغیر جو اُن کے جی میں آئیگا کرتے رہیں گے ۔چنانچہ عروۃ بن الزبیر ۔ امام زہری اور اُن کے طبقہ کے لوگ ۔ اسی طرح حضرت شعبی ۔ ابن ابی ذویب، رجار بن حیوہ حسن بصری ۔ ابوالزناد امام مالک ۔ امام اوزاعی اور امام شافعی، یہ سب اسی دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ یہ حضرات دربارِ سلطانی سے تعلق رکھتے تھے مگر اُن کی غرض کیا تھی ؟ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مرتبہ کسی نے امام مالک سے کہا کہ آپ ان حکام کے پاس جاتے ہیں ۔ حالانکہ یہ لوگ ظالم اور متکبر ہیں" جواب میں فرمایا "ہاں ! تم پر خدا کی رحمت ! اگر میں بھی ان کے پاس نہ جاؤں تو کلمۂ حق کا اعلان کون کریگا" لیکن حکام اور اہلِ حکومت کے ساتھ یہ ربط وضبط اور تعلق رکھنے کے باوجود یہ علمار اپنی خودداری اور عالمانہ وقار و استغنا کو کس طرح قائم رکھتے تھے اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے حج سے فراغت کے بعد مدینہ میں حاضری دی تو امام مالک کی خدمت میں پانسو دینار کا ایک توڑا بھی بطور نذر پیش کیا ۔ پھر جب واپس ہونے لگا تو امام عالی مقام سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ بغداد تشریف لے چلیں ۔ یہ سُن کر امام مالک نے قاصد سے کہا " اپنے آقا سے کہہ دینا، تمہاری تھیلی اسی طرح سربمہر رکھی ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مدینہ اپنے باشندوں کے لئے بہترین مقام ہے

بشرطیکہ وہ سمجھیں۔

بہرحال علماء پہلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں یا دوسرے سے ان میں سے ہر ایک کا عمل اور حکومت کے ساتھ اُن کی روش کسی اپنے ذاتی جذبہ یا نفسیاتی کیفیت پر مبنی نہیں تھے بلکہ جو کچھ بھی تھا شرعی مصلحت کے تقاضہ سے تھا۔

یہ جتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ علما سے میری مراد علمائے حق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے سوٗ کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کو سخت اور ناقابلِ تلافی نقصان پہونچا ہے لیکن کیا کیجئے کہ فطرت کا قانون کچھ ایسا ہی ہے کہ چراغِ مصطفوی کو شرارِ بولہبی سے ہمیشہ سابقہ رہا ہے، اس چمن زار ہستی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ پہلو میں اگر کانٹے نہ ہوں تو پھولوں کے حسن کا رنگ زیادہ شوخ بھی نہیں ہوتا۔ وہ کونسا گروہ اور طبقہ ہے جس میں اچھے بُرے دونوں قسم کے لوگ نہیں ہوتے حکمرانوں میں، امیروں اور وزیروں میں۔ ڈاکٹروں میں، وکیلوں میں، تاجروں اور دوکانداروں میں۔ ہر ایک میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ اور آپ چند بُرے افراد کی وجہ سے پورے طبقہ سے متنفر نہیں ہوجاتے بلکہ اُس کی اہمیت اپنی جگہ تسلیم کرتے ہیں۔ پس اسی طرح اگر علماء میں بھی کچھ افراد علمائے سوٗ کا مصداق ہوئے تو آپ کو یا کسی کو زیبا نہیں ہے کہ ان چند لوگوں کی برائیوں کا ذمہ دار پورے طبقہ ہی کو قرار دیں۔ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ اور وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ارشادِ ربانی ہے

آپنے اپنے خط میں علماء کی نسبت جو باتیں کہی تھیں میرا خیال ہے کہ میں سطور بالا میں اُن سب کا جواب عرض کرچکا ہوں۔ اب حکمراں طبقہ کے متعلق آپنے جو ریمارک کیا ہے اُس کے بارہ میں مختصراً گذارش کرتا ہوں۔ معلوم نہیں آپنے یہ کیسے لکھ دیا کہ (۱) حکمراں طبقہ کا آپس میں کبھی ایسا اختلاف نہیں ہوا جس کی مصالحت نہ ہوسکے اور (۲) حکمراں طبقہ میں یک جہتی زیادہ ہے بہ نسبت علماء کے۔ عرض یہ ہے کہ اگر اس سے آپ کی مراد پاکستان کا موجودہ حکمراں طبقہ ہے تو میں اس کو تسلیم کرسکتا ہوں اگرچہ یہ پھر بھی کہوں گا کہ یہ طبقہ دراصل فوجی ہے جو اس وقت حکمرانی کر رہا ہے اور یہ مسلمہ بات ہے کہ اس طبقہ میں ڈسپلن، نظم و نسق اور یک جہتی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس بنا پر پاکستان کے موجودہ حکمراں طبقہ میں ان اوصاف کے پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصلاً ملٹری سے تعلق رکھتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے موجودہ حکومت سے پہلے جو وزارتیں بن بن کے بگڑ گئیں ان کا حال ساری دنیا کو معلوم ہے اور انھوں نے ملک اور قوم کی جو گت بنادی تھی وہ کوئی

وہ کوئی چھپا ہوا بھید نہیں ہے۔

لیکن اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ تاریخ میں حکمراں طبقہ کی خصوصیات ہمیشہ یہی رہی ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا آپ نے ایک ایسی بات کیونکر لکھ دی جس کی واضح اور صاف تردید تاریخ اسلام کا صفحہ صفحہ کرتا ہے ذرا سوچئے۔ تاریخ اسلام کی پوری طویل مدت میں جو بار بار حکومتیں بگڑی اور مٹی ہیں۔ بغاوتوں کے طوفان اُٹھے خانہ جنگیوں نے ملک کا امن و امان تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ طوائف الملوکی نے عوام اور خواص کی زندگی اجیرن بنا دی۔ بھائی بھائی سے دست و گریبان رہا۔ اور چچا بھتیجہ سے سرگرم پیکار۔ ان تمام چیزوں کا باعث ہمیشہ حکمراں طبقہ رہا ہے یا علماء کا طبقہ؟ بیشک لڑائیاں علماء میں بھی ہوئی ہیں، جیسا کہ خود آپ نے بھی تحریر کیا ہے لیکن دونوں طبقوں کی باہمی جنگ آزمائیوں کا مقابلہ و موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء کی آپس کی لڑائیوں میں جو خون بہا ہے اُس کو حکمراں طبقہ کی باہمی جنگوں میں بہنے والے خون کے ساتھ وہ ہی نسبت ہے جو ایک جوئے کم آب کو ایک بحر ذخار کے ساتھ ہوتی ہے۔

عام طور پر لوگ شکایت کرتے ہیں اور آپ نے بھی کی ہے کہ علماء میں کبھی اتفاق نہیں ہوا، وہ کبھی کسی بات پر متفق نہ ہو سکے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں۔ گذارش یہ ہے کہ یہ اختلاف جو ایمانداری سے کسی ذاتی غرض کے بغیر ہو (علمائے سوء خارج از بحث ہیں) بُرا نہیں اچھا ہے، بلکہ اسلام جیسے عالمگیر اور وسیع مذہب کے لئے ناگزیر ہے۔

ہر تحریک کا خاصہ ہے کہ ابتدا میں اُس کے کارکنوں میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں ہوتا لیکن جب وہ تحریک بڑھتی اور پھیلتی ہے اور مختلف مزاج اور طبیعت کے لوگ اُس میں شامل ہو جاتے ہیں تو اب اس تحریک کی عمر جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کے ماننے اور چلانے والوں میں اختلافات زیادہ پیدا ہوتے جاتے ہیں اسلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا اور اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں میں جو اختلاف سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت پیدا ہوا اُس نے اسلام کو شدید نقصان پہونچایا لیکن اس کے برعکس جو اختلاف فقہ اور استنباط احکام کی راہ سے داخل ہوا اُس نے اسلام کو بے حد فائدہ پہونچایا۔ اُس کی وجہ سے احکام شریعت میں وسعت اور لچک پیدا ہوئی۔ استنباط احکام کے اصول اور قواعد مرتب ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ احوال

وظروف کے تغیر و تبدل کی وجہ سے احکامِ سابقہ میں کس حد تک تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے اور کسی ملک اور قوم کے لوگوں کے عُرف و عادت اور اُن کے رسم و رواج کو اسلامی احکام و قوانین کے ساتھ ہم آہنگ بنایا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں باتیں منقول ہیں۔ آپ نے مستقبل میں اختلافِ امت پر اپنے شدید غم و غصہ کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ بخاری میں حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوئے تو روئے مبارک سرخ تھا اور فرما رہے تھے "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے عرب کے لئے اُس شر سے ہلاکت ہوگی جو قریب آگیا ہے اور اس سے اشارہ اُس اختلاف کی طرف تھا جو ان میں پیدا ہوا" اور ساتھ ہی آپ نے اختلاف کو رحمت فرمایا ہے۔ ان دونوں اقوال کی توجیہہ یہی ہے کہ پہلی قسم کا اختلاف جو سیاست اور خاندانی یا نسلی عصبیت کی راہ سے آیا وہ سرتاسر شر تھا اور اس سے اسلام میں رخنے اور مسلمانوں میں تفرقے پیدا ہوئے لیکن جو اختلاف فقہ کی راہ سے ظہور پذیر ہوا اس سے اسلامی احکام میں وسعت اور فراخی پیدا ہوئی چنانچہ خود صحابۂ کرام میں فروعی مسائل میں جو اختلاف تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک قول میں اس پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر صحابہ میں یہ اختلاف نہ ہوتا تو ہم ضیق میں ہوتے

پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ اختلاف کہاں نہیں ہوتا؟ فلاسفہ اور حکما میں ہوتا ہے۔ قانون دانوں میں ہوتا ہے۔ ایک ہی علم و فن کے مختلف اصحاب میں ہوتا ہے۔ لیکن کیا اس اختلاف کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ آپ قانون، فلسفہ یا متعلقہ علم و فن سے ہی دستبردار ہو جائیں یا اُن آپس میں اختلاف کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرنے لگیں۔ اچھے بُرے لوگ ہر طبقہ میں ہوتے ہیں، علما بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن جس طرح چند بُرے ڈاکٹروں، پروفیسروں، اربابِ سیاست، امرا، فلاسفہ اور اُدبا اور شعرا کی وجہ سے ان لوگوں کا طبقہ بُرا نہیں بن جاتا اسی طرح چند علما سوء جن کی شناخت چنداں مشکل نہیں ہے، ان کی وجہ سے علما کا طبقہ بھی مذموم نہیں ہو جاتا۔ اگر کسی قانون کی تنقید کے لئے اس کے شارحین اور مبصرین کا وجود ناگزیر ہے تو بے شبہ اسلامی احکام کی تنقید کے لئے ایک ایسے طبقہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جس کے افراد نے عمریں صرف کر کے اسلامی شریعت میں بصیرت اور درک و کمال حاصل کیا ہو۔

جہاں تک آپ کے خط کا تعلق ہے اُس کا جواب پُورا ہو گیا۔ اب آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ نے

برہان میں میرے جن "نظرات" کو ملاحظہ فرماکر یہ خط لکھا ہے اُن کے لکھنے سے میرا جو مقصد تھا اور جو اُن کی اصل اسپرٹ تھی غالباً آپ اُس کو صحیح طور پر محسوس نہیں کر سکے، ورنہ اس خط کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے "نظرات" میں نہ حکمراں طبقہ کی مذمت کی تھی اور نہ علما کی مدح اور ستائش، بلکہ مقصد صرف یہ تھا کہ جدید سائنس۔ جدید علوم و فنون۔ مغربی تہذیب کے عالمگیر اثرات اور بین الاقوامی سیاسی اور تمدنی افکار و حالات کی وجہ سے اسلامی سماج کے سیکڑوں نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن سے کسی ایک ملک کے نہیں بلکہ دنیا کے تمام مسلمان آجکل دوچار ہیں اور علما کا فرض ہے کہ جن اصولِ اجتہاد کی روشنی میں فقہائے متقدمین نے اپنے زمانہ کے جدید معاملات و مسائل کا حل پیدا کر لیا تھا انھیں سے کام لے کر وہ آج کے مسائل کا حل معلوم کریں" مصر کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ آجکل یہ کام کر رہا ہے اور اسلامی فقہ اس کی علمی تحقیقات کا بہت اہم موضوع بنا ہوا ہے۔ دوسرے ملکوں کے علما کا بھی فرض ہے کہ اپنے اپنے ملک کے خاص حالات کے پیشِ نظر اس نوع کے کام کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہوں۔ یہ کام حکمراں طبقہ اور علما کے باہمی تعاون اور اشتراک سے ہی ہو سکتا ہے۔ حکمراں طبقہ کے ہاتھ میں قوتِ تنفیذ ہے اور علما تقنین کر سکتے ہیں گویا آج کل کی زبان میں علما کی حیثیت وہی ہے جو ممبرانِ پارلیمنٹ کی ہوتی ہے۔ اگر کوئی حکومت پارلیمنٹ کو بالکل نظر انداز کر دے یا پارلیمنٹ حکومت سے تعاون نہ کرے دونوں صورتوں میں ایک عوامی اور جمہوری حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔

میں یہ بھی واضح کر دوں کہ میری یہ گفتگو صرف ایک اصولی گفتگو ہے۔ پاکستان میں ابھی جو اصلاحات نافذ ہوئی ہیں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے کیسی ہیں؟ اُس کے متعلق میں نے ابھی تک اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے۔ فقط والسّلام۔

ضرورت تفسیر مواہب الرحمٰن بیسواں پارہ

تفسیر مواہب الرحمٰن مصنفہ مولانا سیّد امیر علی رح کا بیسواں پارہ اہم علمی ضرورت کے تحت مطلوب ہے، جو صاحب علیحدہ اس پارہ کو الگ کرنا پسند فرمائیں ذیل کے پتہ پر مطلع فرما کر ممنون فرمائیں اور مناسب ہدیہ بھی تحریر فرما دیں تاکہ پیش کر دیا جائے۔

نیازمند

محمد علیم الدین قادری۔ ۲۳ زکریا اسٹریٹ کلکتہ ۷۳